E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - B.Ed

Paper : **5.6 Psychology of Learner and Learning**

Module Name/Title : **Kohler's Insightful Theory of Learning**

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE SLM
PRESENTATION	Interviewee: Dr. Md. Mushahid Interviewer: Dr. Md. Afroz Alam
PRODUCER	M.A. Muneer

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

ذیل مثالوں کی مدد سے واضح کر سکتے ہیں۔

I طلبا ایک مقررہ اوقات میں اسکول میں حاضر ہوجاتے ہیں۔

II ہم تمام افراد مخصوص کاموں، ذمہ داریوں کو مقررہ وقت پر کرتے ہیں۔

III ہم مقررہ وقت پر کھانا کھاتے ہیں۔

IV ہم مقررہ وقت پر اپنے کام پر یا آفس جاتے ہیں۔

اگر ہم غور کریں تو اسکینر نے تقویت کا ایک بہترین نظام العمل تیار کیا ہے۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات(Educational Implication)

بحیثیت استاد ہم اس نظریہ کا اطلاق اپنے درس وتدریس اور عملی زندگی میں کر کے خود اپنے طالب علموں کے لیے فائدہ کا سامان مہیا کر سکتے ہیں تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک معلم کے لیے اس اکتسابی نظریہ کی کیا اہمیت ہے۔

(1) اس نظریہ میں تقویت پر زور دیا گیا ہے جو درس وتدریس میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ استاد اور والدین تقویت کے ذریعے بچوں کے برتاؤ میں خوش آئند یا مطلوبہ تبدیلی(Desirable Change)لا سکتے ہیں۔

(2) اسی نظریہ کو بنیاد بنا کر اسکینر نے منظّم اکتساب(Programmed Learning) کو پیش کیا ہے جس میں طلبا ایک منظّم طور پر مرحلہ در مرحلہ اکتساب کرتے ہیں۔

(3) اس نظریہ کے مطابق طلبا کو اپنی کامیابی وناکامی اور سیکھنے کے نتائج کا وقتاً فوقتاً علم ہونا چاہیے جس سے کہ وہ کس عمل کو کرنا ہے اور کس کو ترک کرنا ہے سیکھ لیں۔

(4) اس نظریہ سے ایک استاد اپنی تدریسی فعل انجام دینے میں کافی مدد لے سکتا ہے اور تدریس کے دوران تقویت کے طور پر مسکرانا، شاباشی دینا وانعام وغیرہ ایسی ترغیبات ہیں جو طلبا کو تعلیم واکتساب کے لیے راغب کرنے کا کام کرتی ہیں۔

(5) یہ نظریہ مشق اور عادت پر زور دیتا ہے۔

(6) اس نظریہ کی مدد سے ہم طلبا کے اندر مثبت ومنفی رویوں کو فروغ دے سکتے ہیں۔

(7) یہ نظریہ کم عمر بچوں، کند ذہن بچوں اور جانوروں کی تربیت کے لیے مناسب ہے۔

(8) اس نظریہ کی مدد سے طلبا میں اچھی عادتوں کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور بری عادتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

(9) یہ نظریہ طلبا کے اندر سے ڈر اور خوف کو دور کرنے میں بھی مدد کرتی ہے۔

(10) حروف، الفاظ کا صحیح طور پر ہجے کرتے اور اعداد وشمار سکھانے میں بے حد کارآمد ہے۔

5.6 بصیرتی اکتساب کا نظریہ(گیسٹالٹ)(Insight Theory of Learning - Gestalt)

اکتساب کے اس نظریہ کو جرمنی کے ماہرین نفسیات جن کو گیسٹالٹ سائیکالوجسٹ(Gestalt Psychologist) کے نام سے جانا جاتا ہے، نے پیش کیا اور اس نظریہ کو پیش کرنے میں تین ماہرین نفسیات شامل ہیں ورد یمر(Wertheimer)، کوفکا(Koffka) اور کوہلر(Kohler)۔ چونکہ Gestalt

ایک جرمن لفظ ہے جس کا مفہوم ہے ''ایک مکمل تنظیم'' یعنی کہ (An Organized Whole) اور اسی مفہوم میں اس نظریے کی پوری جان ہے۔ دوسری چیز جو اس نظریہ میں سمجھنے کی ہے وہ ہے بصیرت یعنی کہ Insight اور بصیرت کا تعلق انسان کے دماغ سے ہے اور دماغی صلاحیتوں سے ہے جس میں عقل، فہم، ادراک آتے ہیں۔

اب آیئے ان دو الفاظ یعنی کہ Gestalt اور Insight کی مدد سے ہم آپ کو اس اکتسابی نظریہ کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ جب ہم کسی شئے کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں ''مکمل'' طور پر اپنی فہم و فراست کا استعمال کرتے ہوئے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بنیادی طور پر ''اِدراک کی ماہیت'' سے جڑا ہوا ہے۔ اس نظریے کے مطابق سیکھنے والا ''جز'' کے بجائے ''کُل'' کا ادراک کرتا ہے اور اکتسابی صورتِ حال یا ماحول کا مجموعی طور پر جائزہ لینے کے بعد مسائل اور صورتِ حال کے مابین رشتہ قائم کرتا ہے اور اپنی بصیرت کا استعمال کر کے اس مخصوص مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سیکھنے کے عمل میں بطورِ مجموعی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی عقل، فہم، ادراک اور بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے مسائل کو حل کرنے یا اکتساب کرنے یا سیکھنے کو ہی ہم بصیرتی اکتساب کہتے ہیں۔

بصیرتی اکتساب کا تجربہ (Experiment of Insight Learning Theory)

بصیرتی اکتساب کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں کوہلر (Kohler) کا چمپینزی (Chimpanzee) جس کا نام سلطان تھا، پر کیا جانے والا تجربہ سمجھنا ہوگا۔ تو آیئے ہم آپ کو سلطان پر کئے جانے والے تجربہ کی روداد سناتے ہیں۔ آپ اپنے ذہن میں تین باتوں کو رکھ لیجیے۔ پہلا چمپینزی، دوسرا تجرباتی کمرہ اور تیسرا کیلا۔ یہ تجربہ بھی حسبِ سابق ایک بھوکے چمپینزی پر کیا گیا جس کا نام کوہلر نے سلطان رکھا تھا۔ کوہلر نے بھوکے سلطان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور اس کمرے کی چھت پر اندر سے کیلا لٹکا دیا۔ اس مخصوص تجرباتی کمرے میں کچھ ڈبے، کچھ آپس میں جڑ جانے والے لکڑی کے ٹکڑے بھی اِدھر اُدھر بکھیر کر رکھ دیا گیا تھا۔ تجربہ کے پہلے مرحلہ میں جب سلطان کو تجرباتی کمرے میں بند کیا گیا تو سب سے پہلے سلطان نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تو پایا کہ کمرے کے اوپری سرے پر کیلا لٹک رہا ہے چونکہ سلطان بھوکا تھا اس لیے اس نے اُچھل کود مچانی شروع کر دی۔ لیکن کیلا ہاتھ نہیں لگا۔ پھر سلطان ایک جگہ بیٹھ گیا اور پھر پورے کمرے کا جائزہ لیا تو اچانک اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ کمرے میں ڈبہ بھی موجود ہے لہٰذا اس نے ڈبہ کو کیلے کے نیچے رکھا اور اس پر چڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کی یہ دوسری کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ سلطان نے پھر کمرے پر پوری نظر دوڑائی اور مزید ڈبوں کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر اس کیلے کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر کچھ سوچنے لگا، پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ڈنڈا پڑا ہوا تھا، اسے اپنے ہاتھ میں لیا پھر نئی کوشش کی۔ یہی سلسلہ چلتا رہا اور آخر میں اپنی عقل و بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے اس نے ڈنڈوں کو آپس میں جوڑ لیا۔ پھر کیا تھا کیلا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ کچھ دنوں کے بعد کوہلر نے اسی تجربہ کو دوہرایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بڑی آرام سے سلطان ان تمام ڈبوں کو لایا اور ڈنڈوں کو آپس میں جوڑا اور بغیر کوئی غلطی کیے ہوئے ان کیلوں کو حاصل کر لیا۔ گویا کہ اپنی بصیرت اور ماحول کا بطور مجموعی جائزہ لینے کے بعد وہ سیکھ گیا کہ کیلے کو کیسے حاصل کرنا ہے۔ اسی اکتساب کا نام کوہلر نے بصیرتی اکتساب کا نام دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ سیکھنے کا عمل بصیرت سے ہوتا ہے۔

☆ اکتسابی مرحلہ۔ اپنے تجربات کی روشنی میں کوہلر نے اکتساب کے کچھ مراحل بیان کیے جو کہ حسبِ ذیل ہیں۔

☆ جائزہ (Survey)

☆ جھجک (Hesitation,Pause)

☆ کوشش (Trial)

☆ نئی کوشش (In first trial fail, new trial)

☆ اکتساب (Learning)

بقول گیسٹالٹ سیکھنے کا عمل کئی مراحل میں ہوتا ہے۔سب سے پہلے تو سیکھنے والا یا اکتساب کرنے والا پورے ماحول کا، پوری حالات کا بغور جائزہ لیتا ہے۔ پھرعمل کرنے میں یا کوشش کرنے میں جھجکتا ہے کہ یہ عمل کامیاب ہوگا کہ نہیں۔ پھر تیسرے مرحلے میں وہ کوشش کرتا ہے جس طرح تجربہ میں سلطان نے کیلا حاصل کرنے کی پہلی کوشش کی۔ چوتھے مرحلے میں اگر سابقہ میں کوئی کوشش ناکام ہوگئی تو اس کا دوبارہ/ ارتکاب نہیں کرتا بلکہ پھر سے دوبارہ نئی کوشش کرتا ہے اور یہ نئی کوشش اپنی عقل، فہم، ادراک وبصیرت کو استعمال کر کے ہی کرتا ہے یہاں تک کہ اس شئے کو سیکھ لیتا ہے۔

☆ اکتساب کے اصول (Principles of Learning)

سلطان پر کیے گیے تجربات کی روشنی میں کوہلر نے کچھ اہم اصول وضع کئے ہیں۔جن کو ہم بصیرتی اکتساب کا اصول کہتے ہیں۔تو آیئے ہم آپ کو ان اصولوں سے واقف کرواتے ہیں۔

☆ تنظیم کا اصول (Principle of Organisation)-اس اصول کے مطابق سیکھنے کے عمل میں تنظیم یعنی کہ Organisation بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔اگر ہم کسی بھی چیز کو منظّم طور پر سیکھیں گے تو اکتساب میں آسانی ہوگی۔ اس لئے معلم کو یہ چاہئے کہ تدریسی فرائض انجام دیتے وقت پورے مواد کو ایک تنظیمی ڈھانچے میں منظّم طور پر تیار کرلے پھر اس کی ترتیب بنالے۔اگر ایک ترتیب کے ساتھ موادِ مضمون کو طلبہ کے سامنے پیش کیا جائیگا تو ان کو سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی۔

☆ نزدیک کا اصول (Nearness/ ProxomityofLaw) یعنی کہ ہم اگر کسی چیز کے بارے میں سیکھنا یا اکتساب کرنا چاہتے ہیں تو اس کو قریب سے دیکھیں، اس کے پاس جا کر سیکھیں تو بہتر اکتساب ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ہم طلبا کو تاج محل کے بارے میں درس دینا چاہتے ہیں تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ طلبا کو تاج محل کے پاس لے جایا جایے۔ٹھیک اسی طرح ہم اگر چار مینار کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں تو طلبا کو چار مینار کا باقاعدہ سیر کرائیں۔ جب طلبا تاج محل اور چار مینار کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو اس کا مکمل خاکہ ان کے ذہن میں آئے گا اور اکتساب بالکل مستحکم ہوجائے گا۔

☆ یکسانیت کا اصول (Law of Similarity) اس نظریہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ حالات اور مسائل کی نوعیت میں یکسانیت ہوتو اکتساب بہتر ہوگا۔مثال کے طور پر اگر ہم ایک طالب علم کو جوڑ سکھانا چاہتے ہیں تو صرف جوڑ ہی سکھائیں، اسے گھٹانا سکھائیں گے تو دشواری ہوگی۔اس لیے سب سے پہلے جوڑنے کے پورے تصورات سمجھائیں پھر دوسری نشست میں گھٹانا سکھانے کی کوشش کی جائے تو بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

☆ آسانی کا اصول (Law of Simplicity) اس اصول کے تحت عمل کرتے ہوئے ایک معلم کو کسی بھی عنوان کے تصورات کو سمجھانے کے لیے آسان سے آسان طریقہ جو طلبا کی ذہنی استطاعت کے مطابق ہو استعمال کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں پیش کرنی چاہیں جن کا رشتہ طالب علم کی زندگی سے ہو۔سارا منظر اس کے سامنے آجائے اور تصور بالکل واضح ہوجائے۔اس تعلق سے آسان زبان، عام فہم انداز، سادہ اسلوب اختیار کرنی چاہیے جس سے کہ طلبا کو سبق سمجھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو۔

☆ کمرۂ جماعت میں اطلاق/تعلیمی مضمرات (Educational Implication) اس نظریہ کے مطابق انسان جو بھی سیکھتا ہے اس میں بصیرت یعنی کہ عقل، فہم، شعور ادراک شامل ہوتا ہے۔ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ درجہ اسے عقل وفہم کی بنیاد پر ہی دیا گیا ہے۔اس لئے کہ وہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کے لیے اپنی عقل اور سمجھ بوجھ کا استعمال کرتا ہے۔اس لئے معلم کو بھی یہ چاہیے کہ طلبا کی عقل وفہم کے مطابق اسے تدریس دیں اور ہمیشہ ان کو اس بات کی طرف راغب کریں کہ سیکھنے کے عمل میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کا بہتر سے بہتر استعمال کرتے ہوئے موادِ مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں۔جن میدانوں میں مددگار ہوسکتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

☆ عمل کے ذریعے اکتساب کو فروغ ملتا ہے۔
☆ تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے، کام کو نئے طور پر کرنے اور غور وفکر کی صلاحیت کو فروغ دینے میں مددگار ہوتا ہے۔
☆ موثر اکتساب کے لیے ''کل'' یعنی کہ Whole کا طریقہ جز یعنی کہ Part سے بہتر ہے۔
☆ اس اکتسابی نظریہ میں مقاصد کا بہت ہی اہم رول ہوتا ہے۔
☆ دریافت (Inventions) اور ایجادات (Discoveries) کے لئے بھی معاون ہے۔
☆ مسائل کو حل کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔
☆ Thinking، Reasoning اور Imagination کو پروان چڑھانے میں مددگار ہے۔
☆ تعمیری (Constructive) اور تخلیقی صلاحیتوں (Creativity) کو بڑھاوا ملتا ہے۔

5.7 سماجی اکتساب کا نظریہ (Social Learning Theory)

اس نظریہ کو البرٹ بندورا (Albert Bandura) نامی ماہر نفسیات نے پیش کیا ہے۔ بندورا کے مطابق اکتساب ایک سماجی عمل ہے یعنی کہ ہر بچہ، ہر شخص، ہر انسان جو کچھ بھی سیکھتا ہے یا اکتساب کرتا ہے وہ سماج سے ہی سیکھتا ہے۔ اسی لئے اس نظریہ کا نام سماجی اکتساب کا نظریہ رکھا گیا۔ ہم سب کو معلوم ہے انسان ایک سماجی حیوان ہے وہ سماج میں رہتا ہے، سماج میں رونما ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہے، ان کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے اثرات کو اپنے اندر داخل کرتا ہے۔ سماج میں رونما ہونے والے واقعات، حادثات، تجربات سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ چونکہ ایک بچہ اپنے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بڑوں کے عمل کو دیکھتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے، مشاہدہ کرنے اور سمجھنے کے بعد ان کی باتوں یا چیزوں کو دہرانے کی یا سیکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے اچھی لگتی ہیں یا تقویت (Reinforcement) فراہم کرتی ہیں، اس لیے اس نظریہ کو ہم مشاہداتی اکتسابی نظریہ یعنی کہ (Observation Theory of Learning) بھی کہتے ہیں۔ ایک اور خاص بات اس اکتسابی نظریہ کی ہے۔ بقول بندورا سیکھنے والا آنکھ سے دیکھی ہوئی ہر چیز کو نہیں دہراتا یا نقل کرتا ہے بلکہ ان ہی چیزوں کو دوہراتا یا کرنے کی یا سیکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے من کو بھائے، اسے اچھی لگے۔ اس بات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص، جس واقعہ اور جس حادثہ سے انسان متاثر ہوتا ہے اسی کو سیکھتا یا عمل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم کو اپنے ایک استاد کے بات چیت کرنے کا طریقہ بہت اچھا لگتا ہے تو وہ اسی طرح گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک کرکٹ کھیلنے والے بچے کو سچن تندولکر کے بیٹنگ کی اسٹائل اچھی لگتی ہے تو وہ بھی بلے بازی کرتے وقت تندولکر کی ہی طرح بلے بازی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ہمیں کسی فلمی ہیرو یا ہیروئن کا لباس اچھا لگتا ہے تو ہم اس طرح کے لباس کو پہننا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح نہ جانے ہم کتنی مثالوں کو آپ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اب آپ بھی غور کیجیے کہ ہم اپنی زندگی میں کن کن چیزوں کو دوسروں کی نقل کر کے سیکھنے میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی کہ ہر شخص کسی نہ کسی کا مخصوص انداز Follow کرتا ہے اور اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی رول ماڈل رکھتا ہے اور اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے ہم اس اکتسابی نظریہ کو ماڈلنگ اکتسابی نظریہ (Modelling Learning Theory) کے نام سے بھی جانتے ہیں۔

اس نظریہ کو پیش کرنے سے پہلے بندورا بہت فکرمند رہتے تھے کہ کیا وجہ ہے آج کا نوجوان کافی غصہ ور یعنی کہ Aggressive ہے۔ اس حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے انہوں نے بڑی کوشش کی، تحقیق کی۔ تحقیق کے بعد ان پر یہ عیاں ہوا کہ نوجوانوں کے قول وفعل میں، ان کی برتاؤ میں، ان کی بات چیت کرنے کے طریقوں میں، ان کے لباس میں، ان کی باتوں کے اسٹائل میں فلموں کے گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اور نوجوان نسل فلموں کے اثرات کو سب سے زیادہ اپنی زندگی کا حصہ بنا رہی ہے۔ اس بات سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ فلم میں ایک ہیرو ہوتا ہے، وہ سماج کے ہر حالات خواہ وہ کیسے بھی ہوں ان